تاثرات

پاکستان ایک خاص نظریہ حیات اور ایک خاص ثقافت اور معاشرتی اقدار کی حفاظت کے لیے اگست ۱۹۴۷ میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اس کے قیام کو ابھی ۲۹ برس ہوئے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں یہ مدت کچھ حقیقت نہیں رکھتی مگر اس قلیل عرصے میں بھی ہم نے جو انقلابات دیکھے ہیں وہ دوسرے ملکوں کی تاریخ میں عموماً صدیوں میں پھیلے نظر آتے ہیں۔

یہ تو ایک المیہ ہے کہ پاکستان آج وہ نہیں جو اٹھائیس برس پیشتر تھا۔ ہماری جغرافیائی سرحدیں بدل چکی ہیں۔ ہمارے نظریات بعض لوگوں کو غیر حقیقی نظر آنے لگے ہیں۔ ہمارے انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں جا بجا رخنے نمودار ہو گئے ہیں۔ اسی کمزوری کی بنا پر ہماری قومی یک جہتی اور شیرازہ بندی پر حملہ آور ہونے والے اندرونی اور بیرونی عناصر دانت تیز کر رہے ہیں۔

ہم حصول آزادی کی جنگ جیتنے کے بعد دوسرے ہی روز پٹڑی سے اتر گئے تھے۔ اپنی منزل مقصود سے منہ موڑ کر لوٹ کھسوٹ، چور بازاری، گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی اور خود غرضی کی راہ پر گامزن ہو گئے تھے، جو آل کار ہمیں اس مقام پر لے آئی جس کے چاروں طرف خطرے ہی خطرے ہیں۔ اگر ہم نے اب بھی اس راہ کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔

پاکستان کو جمہوریت کی راہ پر گامزن ہو کر ترقی کرنے کا ایک موقع ملا تھا مگر اس نے اپنی بعض اخلاقی خرابیوں کی وجہ سے یہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ جماعتی اختلافات نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کر لی، جس سے نکلے بغیر تباہی یقینی ہے۔ ان یاس آفریں حالات کا ذمہ دار خواہ کوئی بھی ہو، یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم اپنے عقیدۂ ایمانی، اپنی خصوصیات و امتیازات اور اپنی قدیم روایات و تہذیب کا احترام کرنا چھوڑ دیتی ہے، اپنے [illegible] آئین کا خیال نہیں رکھتی اور اپنے اوضاع و اطوار پر سختی سے قائم نہیں رہتی [illegible]

کچھ کھو بیٹھتی ہے اور زمانہ اس کے وجود ہی کا نہیں بلکہ اس کی طاقت و عظمت اور عزت و حرمت کا سودا کرنے پر تُل جاتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے انجام و مآل اور نفع و نقصان کا اندازہ کریں۔ سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی ایسا لائحہ عمل مرتب کریں جو زیادہ سے زیادہ افراد کے لیے قابلِ قبول ہو۔ یہ سال علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کے لیے وقف ہے۔ آیئے حکیم مشرق ہی سے راہنمائی حاصل کریں۔

اقبال کا تصور زندگی، بقول ڈاکٹر قاضی عبدالحمید، نہ خالص مشرقی راہبانہ ہے اور نہ خالص مادی مغربی۔ وہ زندگی کے پھلنے پھولنے کے لیے نفی اور اثبات دونوں کو ضروری قرار دیتا ہے۔ وہ تخریب بھی چاہتا ہے اور تعمیر بھی۔ لیکن تخریب اس لیے کہ بہتر تعمیر ہو سکے۔ وہ تشدد اور عدم تشدد دونوں کا حامی ہے لیکن تشدد اس لیے کہ انصاف اور رواداری کا راستہ صاف ہو جائے۔ ہر حالت اور ہر موقع پر وہ عدم تشدد کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ اسے موت قرار دیتا ہے، وہ تو زندگی کا خواہاں ہے۔ اس کی تمام نیرنگیوں، دلفریبیوں رحمتوں اور قہاریوں کے ساتھ۔ اپنی تعلیمات میں وہ اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اسی لیے انفرادیت اور اجتماعیت اس کے یہاں باہم ہوئے ہوئے ہیں۔ اس کی نگاہ خودی اور بے خودی دونوں پر رہتی ہے۔ وہ دین و دنیا دونوں کو پیش کرتا ہے۔ مشرق و مغرب اس کے یہاں آ کر باہم گلے مل گئے ہیں۔ اپنی ان تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ سب سے بہتر امت اسلامیہ کو سمجھتا ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ ایک صحیح اور معتدل مذہب کی پیرو ہے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ جغرافیائی حیثیت سے مشرق و مغرب کے درمیان واقع ہے۔ اسی لیے وہ کسی فرقہ وارانہ ذہنیت کی بنا پر نہیں بلکہ انسانیت کی تکمیل کے لیے مسلم ہند و پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی اور عرب سے مخاطب ہوتا اور انھیں دنیا کی تمام تمدنی ارتقا کا ذمے دار قرار دیتا ہے۔ وہ اسلام کے جلالی ظہور سے زیادہ اس کے جمالی ظہور کا متمنی ہے۔ وہ اسلام کی روحانی بنیادوں پر آج کل کی تمام تمدنی بنیادوں کا حل چاہتا ہے۔

دیکھیں ملت اسلامیہ کس حد تک اس فریضے کو پورا کرتی ہے اور اس گتھی کو کس کا ناخنِ تدبیر سلجھاتا ہے۔

محمد عبداللہ قریشی